© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صادق ندیم

جاحظ اور اس کی کتاب البخلاء

دوسری اور تیسری صدی ہجری کا زمانہ اسلامی ثقافت کے ارتقا کے لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ خصوصاً ہارون الرشید اور مامون کے عہد کو اس کا نقطۂ عروج کہا جا سکتا ہے۔ اس عرصے میں علوم و فنون میں جو ترقی ہوئی اس کی فہرست بہت طویل ہے۔ عربی ادب کو بھی اس دور میں بہت فروغ حاصل ہوا اور عربی زبان کے کئی ممتاز شعرا پیدا ہوئے، مگر نثر کے اعتبار سے یہ دور نظم سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ عربی ادب کے بعض بڑے شعرا اس کے بعد بھی پیدا ہوئے، مگر جس پایہ کے نثر نگار اس دور میں عالم وجود میں آئے ان کی مثال نہیں ملتی۔ اس عہد میں عربی نثر کے دو مشہور مدارس پیدا ہوئے۔ پہلے مدرسۂ فکر اساطین میں ابن المقفع اور عبدالحمید کاتب سرفہرست ہیں اور مدرسۂ ثانیہ میں نثر کا سرخیل جاحظ کو سمجھا جاتا ہے۔

جاحظ نے جوانی کا زمانہ عہدِ ہارون الرشید میں گزارا[1] اور اس کی پختگی کے دن مامون کے زمانے میں گزرے۔ مامون کا عہد حریتِ فکر کے اعتبار سے بہت ممتاز تھا اور یہی حریتِ فکر جاحظ کی تصانیف میں نمایاں ہے۔ علمی تحقیق جو اس دور کی شانِ امتیاز تھی ہمیں جاحظ کی نثری تخلیقات میں جابجا واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس کی نثر حقیقت پسندانہ ہے، انسانی اور حیوانی زندگی کے حقائق پر اس کی گہری نگاہ ہے اور اس کا علم بہت وسیع ہے۔ اس کی کتابوں کی تعداد (جن میں چھوٹے چھوٹے رسائل بھی ہیں) سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ مگر زیادہ مشہور کتاب الحیوان، کتاب البیان والتبیین اور کتاب البخلاء ہیں۔ کتاب الحیوان ایک ضخیم کتاب ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، اسے اپنے فن کا انسائکلوپیڈیا کہنا زیادہ مناسب ہے، اور یہ بہت سی خوبیوں پر محیط ہے۔ کتاب البیان والتبیین ادبِ عربی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس میں فصاحت و بلاغت کا بیان ہے،

---

[1] ابوعثمان عمرو بن بحر الملقب بالجاحظ ۱۵۹ ہجری میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۲۵۵ ہجری میں وفات پائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن خلدون نے اسے ادبِ عربی کی چار بنیادی کتابوں میں شمار کیا ہے۔ تیسری کتاب البخلاء ہے جو اس کی سب کتابوں کے بعد شائع ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے طبع کرانے والا شخص فان فلوتن (von Vloten) نامی مشہور مستشرق ہے جس نے اسے لیڈن سے ۱۹۰۰ء میں شائع کیا۔ اس کے بعد یہ مصر اور دمشق میں بھی طبع ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں طٰہ الحاجری نے مصر سے اس کا ایک جدید علمی ایڈیشن شائع کر کے اسے اپنے استاد ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے نام سے منسوب کیا جو اس کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں: وهو من اجود الكتب ويحق للغة العربية ان تفاخر به هذا الكتاب جمع فيه الجاحظ اخبارًا تتصل بالبخلاء الذين فى عصره تناول فيه المتكلمين والمعتزله، وقص من اخبارهم فى البخل اشياء كثيرة وقيمة هذا الكتاب لا ادرى اهى فى الجمال اللفظى واستقامة المعنوى؟ أم فى الخصب المعانى؟ ام فى هذا التصوير الذى لا يقاس اليه تصوير، تصوير حياة البصرة وبغداد فى عصر الجاحظ[۲۵] یعنی کتاب البخلاء عمدہ ترین کتابوں میں ہے جس پر عربی زبان بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس میں جاحظ نے اپنے ہم عصر بخلا کا ذکر کیا ہے، اس میں متکلمین اور معتزلہ کو بھی (آڑے ہاتھوں) لیا ہے اور اُن کے بخل کی بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ جہاں تک اس کتاب کی قدر و قیمت کا تعلق ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس کے جمال لفظی پر منحصر ہے یا اس کے معنی کی خوبیوں پر؟ کیا اس کا انحصار معانی کی شگفتگی و شادابی پر ہے یا اس دور کی بے نظیر عکاسی پر جس کی تصویر کشی بڑی دقتِ نظر کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس میں جاحظ نے اپنے عہد کے بصرہ اور بغداد کی (بڑی چابک دستی سے) تصویر کھینچی ہے۔"

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے اس مختصر سے تعارف کے بعد ہم اس اہم کتاب پر جو جاحظ کی دوسری کتابوں کی طرح اس دور کے بعض معاملات کا بھرپور مظاہرہ کرتی ہے مزید تبصرہ آرائی سے احتراز کرتے ہوئے اس کا قارئین سے تعارف کراتے ہیں۔

تمہید

جاحظ اپنے کسی قاری سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

"میں نے (اس کتاب میں) واضح کیا ہے کہ بخلا بخل کو اصلاح اور حرص کو اقتصاد کیوں کہتے ہیں۔ وہ سائل کے سوال کو رد کرنے کی حمایت کس لیے کرتے ہیں اور اسے حزم سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ کار خیر کے

---

۲۵ طٰہ حسین: من حدیث الشعر والنثر دار المعارف مصر ۱۹۶۱ ص ۶۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخالف کیوں ہیں اور اسے مال کا ضیاع کس لیے کہتے ہیں۔ وہ سخاوت کو اسراف اور ایثار کو جہالت کیوں شمار کرتے ہیں۔ وہ تعریف سے بچتے اور مذمت سے بے نیازی کیوں اختیار کرتے ہیں۔ یہ اس شخص کو ضعیف کیوں گردانتے ہیں جو اپنے ذکرِ خیر سے لطف اندوز ہوتا اور خرچ کرنے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ اور جو شخص (ایسی) مدح پر مائل نہیں ہوتا (جو سخی کے لیے ہو) اور نہ ہجو سے بچتا ہے اُسے قوی کیوں کہتے ہیں، وہ تنگ دستی کی زندگی کو راحت کی زندگی پر اور تلخیٔ حیات کو شیرینیٔ حیات پر ترجیح کیوں دیتے ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں بہترین چیزوں کے ترک کر دینے پر خجالت کیوں محسوس نہیں کرتے اور انہی چیزوں کو دوسروں کے گھر جا کر بڑی ڈھٹائی سے کیوں استعمال کرتے ہیں۔ وہ بُخل کی راہ پر گامزن کیوں ہیں اور ایسے افعال کا کیوں ارتکاب کرتے ہیں جن کی وجہ سے اُنھیں بخیل کہا جاتا ہے، حالانکہ اُنھیں یہ نام ناپسند ہے۔ اُنھیں کمانے سے رغبت اور خرچ کرنے سے اجتناب کیوں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ دولت مند ہو کر بھی اس شخص کی طرح عمل کرتے ہیں جسے اپنی دولت کے کھو جانے کا خطرہ لاحق ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ صاحبِ عقل ہونے کے باوصف اس چیز کی حمایت کیوں کرتے ہیں جس کی قباحت پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے اور اس بات پر فخر کیوں کرتے ہیں جس کے ذلت آمیز ہونے پر ساری دنیا متفق ہے باوجود اس کے کہ وہ وسیع معلومات کی حامل ہیں۔ ۔ ۔ ۔

آخر بخیل کس لیے تھکن، بے آرامی، بے خوابی اور سخت بستر کی اذیت برداشت کرتا ہے اور گھر سے لمبی مدت کے لیے غائب رہتا ہے، محض اس دولت کے حصول کے لیے جس سے اُسے بہت کم فائدہ پہنچتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا وارث اس کے دشمن سے بھی زیادہ اس سے عداوت رکھتا ہے۔ اور وہ اپنے مال کا اپنے وارث کی نسبت زیادہ حق دار ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ حقیقت پسندانہ اور انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے پر مبنی تمہید آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد رسالہ سہیل بن ہارون ہے جو ساڑھے سات صفحوں پر مشتمل ہے جس میں لوگوں کے مراتب، اُن کی خوراک اور لباس (جو ان کی عقل پر دلالت کرتا ہے) بڑھاپے کا بخل، خرچ کے آداب، نفسِ انسانی پر ثروت کے اثرات اور کفایت شعاری کے متعلق نصائح وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد خراسان کے بخیلوں کا ذکر ہے، وہاں کے شہر مرد کے متعلق لکھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہلِ مرو کا بخل

ثمامہ کہتا ہے: میں نے ہر شہر کے مرغ کو دانہ چگتے ہوئے اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ اپنی منقار سے دانہ اُٹھا کر مرغی کے سامنے ڈالتا ہے سوا شہر مرو کے مرغ کے۔ میں نے دیکھا ہے کہ مرو کا مرغ اپنی مرغی کی منقار سے دانہ چھین لیتا ہے۔ اس مشاہدے کے بعد میں جان گیا کہ اس علاقے کی طبع میں بھی بخل ہے اور اس کے پانی میں بھی، اور پھر یہاں کے تمام حیوانات میں بخلی سرایت کر گیا ہے۔ جب میں نے یہ بات احمد ابن رشید کو بتائی تو اس نے بتایا کہ میں مرو کے کسی شیخ کے پاس مقیم تھا۔ اس کا بیٹا اس کے سامنے کھیل رہا تھا۔ میں نے ہنسی ہنسی میں اس کا امتحان لینے کی غرض سے اس سے کہا: مجھے اپنی روٹی تو کھلاؤ۔ کہنے لگا: تم نہیں کھاؤ گے کیونکہ وہ کڑوی ہے۔ اس پر میں نے کہا: اچھا تو پھر پانی پلا دو۔ کہنے لگا مت پیو بہت کھاری ہے۔ اسی طرح میں دوسری اشیاء کے متعلق سوال کرتا رہا۔ اور وہ ان کے اسی طرح نقائص بیان کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے بہت سی اصناف گنائیں۔ وہ ہر چیز پر انکار کرتا تھا اور اُسے ناپسندیدہ ٹھہراتا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا باپ ہنسنے لگا اور کہا یہ سب اس کے علم پر مبنی ہے جو تم سن رہے ہو۔ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ گویا کہ بخل ان کی سرشت میں داخل ہے۔

چراغ اور فتیلہ

خاقان بن صُبیح کہتا ہے: میں ایک رات خراسان کے کسی شخص کے ہاں گیا۔ وہ میرے پاس ایک ایسا چراغ لے کر آیا جس کی بتی نہایت باریک تھی اور اس کے تیل میں نمک کی آمیزش تھی اور چراغ رکھنے کی جگہ پر دھاگے سے بندھی ہوئی چھوٹی سی نے بھی تھی۔ جب چراغ (تیل کی کمی سے) بجھنے لگتا تو اس نے (کانے) سے بتی کے سرے کو حرکت دی جاتی تھی۔ جب میں نے دھاگے سے بندھی ہوئی اس نے کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کس لیے ہے؟ کہنے لگا یہ نے (عود) کافی تیل پی چکی ہے، اگر اسے دھاگے کے ساتھ باندھ کر محفوظ نہ کیا گیا اور یہ کھو گئی تو ہمیں ایسی نے کی حاجت لاحق ہوگی جو پیاسی ہوگی اور اس طرح ایک فیصنے میں اتنا تیل ضائع ہو جائے گا جو کم از کم ایک رات بھر کے لیے کافی ہے۔ میں اپنے دل میں اس بات پر تعجب کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگ رہا تھا کہ اتنے میں اہلِ مرو کا ایک شیخ اندر آیا اور آتے ہی نے (عود) کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: "اے فلاں کے باپ تم آسمان سے گرے تو کھجور میں اٹکے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہوا اور دھوپ تمام اشیا پر اثر انداز ہوتی ہیں؟ کیا کل رات چراغ بجھاتے وقت یہ نے زیادہ تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تر نہیں تھی اور آج رات یہ چراغ جلانے کے لیے کل کی نسبت زیادہ پیاسی ہے؟ میں بھی کبھی تمھاری ہی طرح جاہل تھا۔ خدا تجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے! نے کی بجائے کوئی چھوٹی سی سوئی باندھ لو کیونکہ نے وغیرہ میں بعض اوقات فتیلہ کی روئی پھنس جاتی ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چراغ کے بجھ جانے کا سبب بنتی ہے اور لوہا (سوئی کا) ملائم ہوتا ہے اور اس پر لطف یہ ہے کہ وہ تیل نہیں چوستا۔"

خاقان کہتا ہے اس رات میں اہل خراسان کی تمام انسانوں پر فضیلت اور اہل مرو کی تمام خراسان پر فضیلت کا معترف ہوگیا"۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اہل بصرہ کے مسجدیوں کا قصّہ

ہمارے مسجدی دوست کہتے ہیں: مسجد میں لوگ جمع ہوئے، یہ وہ لوگ تھے جن کو مال بڑھانے اور خرچ کم کرنے کے حیلوں بہانوں سے سابقہ رہتا تھا۔ یہ "اصحاب الجمع والمنع" تھے۔ ان کی یہ روش ان کے لیے ان کے لیے نسب کی طرح تھی جو سب کو ایک راہ پر جمع کرتی تھی اور اس خلف وفاداری کی طرح تھی جو ان کو ایک دوسرے کی مدد پر متحد کرتی ہے، چنانچہ جب وہ اپنے حلقے میں ایک دوسرے سے ملتے تو ایک دوسرے کے فائدے کے لیے اس باب میں بہت سی باتیں کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں ان میں سے ایک بوڑھا بولا:

"ہمارے کنوئیں کا پانی، جیسا کہ تم جانتے ہو نمکین اور کھاری ہے۔ نہ گدھا اس کے قریب پھٹکتا ہے اور نہ اونٹ اُسے گلے سے نیچے اُتار سکتا ہے۔ کھجور اس کے استعمال سے ختم ہو جاتی ہے۔ دریا ہم سے دُور ہے، میٹھا پانی لانے میں مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ ہم یہ پانی گدھے کو پلانے لگے تو وہ علیل ہوگیا اور ہمیں اس کی وجہ سے تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد ہم اُسے خالص میٹھا پانی پلانے لگے۔ میں اور میری بیوی اس ڈر سے کہ کہیں ہماری جلد پر بھی کھارا پانی وہی اثر نہ کرے جو اس نے گدھے کے معدے پر کیا ہے، اکثر میٹھے پانی سے نہاتے تھے۔ اس طرح سے یہ صاف پانی ضائع جاتا تھا۔ چنانچہ مجھ پر اصلاحِ حال کا دروازہ کھل گیا۔ میں نے غسل خانے کی ایک طرف ایک گڑھا کھودا اور اسے پانی کی سبیل بنایا اور اسے خوب ملائم کر دیا، یہاں تک کہ کھدی ہوئی چٹانوں کی طرح ہوگیا اور غسل خانے کے پانی کا رخ اس طرف کر دیا۔ اب اگر ہم غسل کرتے تو صاف پانی بغیر کسی آمیزش کے اس میں جمع ہو جاتا تھا (تاکہ گدھا اس کو پی سکے) یہ گڑھا ہمیں اتنے دنوں سے نفع پہنچا رہا ہے۔ ہمارے نفس کی اذیت ختم ہوگئی ہے اور پھر لطف یہ کہ قوم کا مال ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سُن کر اُن میں سے ایک اور بوڑھا آگے بڑھا اور کہنے لگا: اے لوگو! معمولی باتوں کو حقیر مت سمجھو، کیونکہ ہر بڑی بات کی ابتدا چھوٹی سی بات ہی ہوتی ہے۔ جب خدا چاہتا ہے چھوٹے کو بڑا کر دیتا ہے اور قلیل کو کثیر میں بدل دیتا ہے، کیا خزانے ایک ایک درہم جمع کرنے سے نہیں بنتے۔ کیا اسی طرح سونے کے ڈھیر، ریت کے تودے اور سمندر کا پانی نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا مجھے کئی دنوں تک کھانسی کی شکایت رہی۔ کچھ لوگوں نے شربت تجویز کیا اور کچھ نے نشاستے، چینی اور روغنِ بادام کا آمیزہ اور دیگر اشیا استعمال کرنے کو کہا، لیکن میں اس قدر اخراجات کو ناپسند کرتا تھا، اس لیے میں بغیر علاج کے صحت کی امید پر قائم رہا۔ میں اس طرح وقت گزار رہا تھا کہ کسی صاحبِ بصیرت نے مجھے مشورہ دیا کہ تم نخالہ (چوکر bran) کا پانی استعمال کرو اور اسے گرم کر کے پی جاؤ۔ میں نے اسے گھونٹ گھونٹ پیا تو اسے نہایت لذیذ پایا، چونکہ یہ غذائیت سے بھرپور تھا اس لیے مجھے بھوک بھی نہ لگی، اور اس دن مجھے دوپہر تک کھانے کی اشتہا نہ ہوئی۔ اسی طرح جب شام کے کھانے کا وقت ہوا تو شام کا کھانا بھی گول کر دیا، اور مجھے کفایت شعاری کی قدر معلوم ہوئی۔ میں نے اپنی بڑھیا (بیوی) سے کہا "تم ہر صبح بچوں کے لیے چوکر کیوں نہیں بنا لیتی۔ اس کا پانی پینے کے لیے بہت اچھا ہے اور بہ غذائیت اور طاقت سے بھرپور ہے۔ پھر تم اس کو دوبارہ خشک کر کے جس قیمت پر اسے خریدا تھا اسی پر اسے بیچ بھی سکتی ہو۔ ہم ایسا کرنے سے منافع حاصل کر سکتے ہیں"۔ بیوی نے کہا "میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانسی کے ساتھ تمہارے لیے بہت سی مصلحتیں بھی جمع کر دی ہیں، کیونکہ اس نے تم کو نخالہ (چوکر) کی خوبیوں سے آگاہ کر دیا ہے اور اس میں تمہاری صحت اور معاش دونوں کا راز پنہاں ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ مشورہ توفیق ایزدی کی وجہ سے تھا۔" سامعین نے کہا "بے شک تم نے سچ کہا ہے ایسی نعمت انسانی مشورے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ القا دی جاتی ہے۔"

جاحظ اسی طرح مختلف ابواب باندھ کر ہر باب کے تحت مختلف قصے بیان کرتے جاتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کو نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

پانچ لاکھ بخشنے والا

ابن حسان کہتے ہیں: ہمارے ہاں ایک تنگ دست شخص تھا جس کا بھائی بہت دولت مند تھا، مگر انتہائی بخیل تھا۔ ایک دن بھائی نے اس سے کہا: "افسوس ہے تم پر! میں فقیر اور صاحبِ عیال ہوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم مالدار ہو اور تم پر کسی قسم کا بوجھ بھی نہیں ہے، تم زمانے کی گردش میں میری اعانت بھی نہیں کرتے اور نہ مال سے میری دلجوئی کرتے ہو۔ بخدا تمھارے جیسا کنجوس نہ تو دیکھا اور نہ سنا ہے۔ مالدار بھائی نے جواب دیا:

"افسوس ہے کہ تم جو سمجھ رہے ہو وہ حقیقت نہیں ہے، نہ میں مالدار ہوں اور نہ بخیل ہوں، بخدا اگر میرے پاس دس لاکھ درہم ہوتے تو اُن میں سے پانچ لاکھ تمھیں دے دیتا۔ اے شخص! وہ آدمی جو یک مشت پانچ لاکھ بخش دے کیا اُسے بخیل کہا جا سکتا ہے؟"

جھوٹ کے عوض جھوٹ

فارس کے کسی والی کے پاس ایک شاعر آیا اور اس کی مدح میں اشعار سنائے تو والی نے اپنے معتمد سے کہا: اُسے دس ہزار درہم عطا کرو۔ شاعر خوشی سے دیوانہ ہو گیا، جب والی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ میرے قول نے تمھاری یہ حالت کر دی ہے، اس لیے میں یہ رقم اب بیس ہزار کر دیتا ہوں۔ اب تو شاعر قریب تھا کہ آپے سے باہر ہو جائے، جب والی نے دیکھا کہ اس کی خوشی دگنی ہو گئی ہے، تو کہا کہ تمھاری خوشی میری بات کے تناسب سے بڑھتی ہے۔ اور حکم دیا کہ اسے چالیس ہزار دے دو۔" اب تو شاعر پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آیا تو عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں، میں جانتا ہوں کہ آپ سخی ہیں اور جس قدر میری خوشی بڑھتی ہے، اس قدر آپ انعام میں اضافہ فرما دیتے ہیں، اس لیے یہ رقم میں قلتِ شکر کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ پھر وہ والی کو دعا دیتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے بعد والی کا معتمد اس کی طرف بڑھا اور کہنے لگا: "سبحان اللہ! یہ شخص تو دس ہزار پر خوش ہو گیا تھا اور آپ اسے چالیس ہزار درہم دینے کا حکم دے رہے ہیں!" والی نے کہا "تیری خرابی ہو! کیا تو اُسے کوئی چیز عطا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے"؟ معتمد نے عرض کی: "آپ کے حکم کی تعمیل تو ضروری ہے"۔ والی نے کہا: "اے بے وقوف! اس شخص نے محض اپنے کلام سے ہمیں خوش کیا اور ہم نے بھی اُسے کلام سے خوش کر دیا! جب اُس نے یہ کہا کہ میں چاند سے زیادہ حسین ہوں اور شیر سے زیادہ طاقتور ہوں اور میری زبان کی کاٹ تلوار سے زیادہ ہے اور میرا حکم نیزے سے بڑھ کر نافذ ہونے والا ہے تو کیا اُس نے کوئی چیز میرے سامنے رکھی کہ میں اس کے عوض میں کچھ اُسے لوٹا دوں؟ کیا ہم نہیں جانتے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے؟ لیکن اُس نے جھوٹ بول کر ہمیں خوش کر دیا۔ ہم بھی اسی طرح اس کو جھوٹ بول کر خوش کر رہے ہیں اور اُسے انعام دینے کا حکم دے رہے ہیں، سو جھوٹ کے بدلے جھوٹ ہو گیا اور بات کے عوض بات ہو گئی۔ اور اگر ہم جھوٹ کا بدلہ سچ سے دیں اور قول کا جواب فعل سے دیں تو یہ تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنا بڑا گھاٹا ہوگا جو میں نے کبھی نہیں سنا!

عبداللہ بن کاسب الحزامی

ایک دفعہ میں نے اس سے کہا: "کیا تو اس بات سے خوش ہے کہ تجھے عبداللہ بخیل کہا جائے"؟ اس نے جواب دیا "خدا یہ نام مجھ سے کبھی معدوم نہ کرے"۔ میں نے کہا: "وہ کیسے"؟ اس نے کہا: "کسی شخص کو اس وقت تک بخیل نہیں کہا جاتا جب تک کہ وہ مالدار نہ ہو۔ تم مال میرے حوالے کرو اور جس نام سے تمہارا جی چاہے مجھے پکارو"۔ میں نے کہا: "کسی کو سخی بھی اسی وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس کے پاس مال ہو اور یہ اسم (سخی) تعریف اور مال کا جامع ہے اور اسمِ بخیل میں مال اور مذمت کا اجتماع ہے گویا تو نے دونوں سے خسیس اور وضیع نام کا انتخاب کیا ہے"۔ کہنے لگا "دونوں میں ایک فرق اور بھی ہے"۔ میں نے کہا: "اچھا تو بتلاؤ"۔ کہنے لگا۔ "بخیل میں مال کے لیے اپنی ملکیت میں ہونے کا اثبات ہے اور لفظِ سخی میں مال کے گرہ سے نکلنے کی خبر ہے۔ اسمِ بخیل میں حفاظت اور مذمت ہے اور اسمِ سخی میں تعریف اور زیاں ہے۔ اور مال پھلنے پھولنے والا ہے، منفعت بخش ہے اہلِ مال کے لیے باعثِ تکریم و اعزاز ہے اور تعریف محض ہوا اور مذاق ہے اور تمہارا اس پر کان دھرنا کمزوری اور مردانگی کے فقدان کی علامت ہے۔ جب آدمی کا پیٹ بھوکا ہو، بدن ننگا ہو، اہل و عیال تلف ہو رہے ہوں اور کل تک حسد کرنے والے اس پر شماتت کر رہے ہوں تو پھر سخی کو تعریف کا کیا فائدہ"؟

زبیدہ بن حُمَید کا قصہ

زبیدہ بن حُمَید سنار نے اس سبزی فروش سے جو اس کے گھر کے دروازے پر بیٹھتا تھا، دو درہم اور ایک قیراط (جو چار دانوں کے برابر ہوتا تھا) ادھار لیے۔ جب چھ مہینے کے بعد یہ قرض ادا کیا تو اُسے دو درہم اور تین دانے ادا کیے۔ اس پر سبزی فروش آگ بگولا ہوگیا اور کہنے لگا "سبحان اللہ! آپ لاکھوں دینار کے مالک ہیں اور میں ایک غریب سبزی فروش ہوں جو ایک صد پیسوں سے زیادہ کا مالک نہیں۔ اور میں بڑی محنت سے کماتا ہوں اور ایک یا دو دانے نفع حاصل کرتا ہوں۔ تمہارے دروازے پر اونٹ والا اور بوجھ اُٹھانے والا دونوں چلا رہے تھے، تمہارے پاس کچھ نہیں تھا، تمہارا وکیل بھی غائب تھا، میں نے تمہاری طرف سے دو درہم اور چار دانے ادا کیے اور تم مجھے چھ مہینوں کے بعد دو درہم اور تین دانے لوٹاتے ہو؟ یہ سن کر زبیدہ کہنے لگا: اے دیوانے تم نے مجھے گرمیوں میں قرض دیا تھا، میں تمہیں سردیوں میں ادا کر رہا ہوں اور جو کے تین سرمائی مرطوب دانے موسم گرما کے چار خشک دانوں سے زیادہ وزنی ہوتے ہیں۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ تم نے نفع حاصل کیا ہے۔

© rasailojaraid.com